بحث و نظر

شیخ الحدیث مولانا لطافت الرحمٰن (کراچی)

اسلامی مدارس اور انکے قدیم نصاب تعلیم کی اہمیت

میں عزیز مجلّہ ماہنامہ ''الحق'' میں شائع ہونے کیلئے حافظ شیرازی کے کہنے کے مطابق

مرا دردیست اندر دل اگر گویم زبان سوزد ‏ ‏ ‏ ‏ وگر دم درکشم ترسم کہ مغزا ستخواں سوزد

ایک درد، قلمبند کرتا ہوں جبکہ یہ درد مدارس اسلامیہ کے فضلاء یا فرغاء کی اکثریت سے متعلق ہے جس کو میں بالاختصار بیان کرنے والا ہوں۔ مگر اس سے پہلے ایک طویل تمہید پیش کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ پورے ملک میں بالعموم اور کراچی میں خاص طور سے علوم و فنون کے درس و تدریس کیلئے مدارس قائم ہیں جن کے ذریعہ مملکت پاکستان میں بقاء اسلام کا عمل ممکن ہوگیا ہے ورنہ ملکی حکام کی اکثریت تو اس قوم کو کافر دیکھنا چاہتی ہے اور یہ خاک پاک دیوبند کی کرامت و عظمت ہے کہ علماء کاملین میں سے ابتداء میں مفتی محمد حسن صاحبؒ نے لاہور میں جامعہ اشرفیہ قائم کیا۔

مولانا عبدالحق صاحبؒ نے اکوڑہ خٹک میں دارالعلوم حقانیہ بنایا۔ مفتی محمد شفیع صاحب نے دارالعلوم کراچی اور مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ نے کراچی ہی میں جامعۃ دارالعلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن قائم کیے اور اس کے بعد تو پاکستان میں یہ سلسلہ اس طرح چلا کہ اب بے شمار اسلامی مدارس میں یہ قومی، ملی، دینی فریضہ انجام دیا جارہا ہے۔ پرانے وقت میں حافظ نذیر احمد صاحب نے کچھ مدارس کو قلمبند کیا تھا لیکن اب تو مدارس کا شمار اضعافاً مضاعفۃً سے بھی متجاوز ہے۔ گویا مدینہ طیبہ کے صفہ سے لیکر مصر کے ''ازھر'' اور دیوبند کے دارالعلوم تک یہ سلسلہ قائم و دائم ہے۔

ع ‏ ‏ ثبت است بر جریدہ عالم دوام

پھر مذہب اسلام، تاریخ اسلام اور مسلمان حکام کی طرف سے بھی ہر دور میں اسلامی درس گاہوں کا نظام جاری ہے جن میں سے بعض کے بانی یا سرپرست مسلم شاہان و سلاطین بھی رہے ہیں بہر حال مدارس و معاہد کا اسلامی ممالک و اوطان اور مدن و بلد ان میں ہونا تاریخ اسلام کا ایک زرین باب ہے۔ میں اس سلسلہ میں لمبی چوڑی باتیں قلمبند کرنا نہیں چاہتا۔ الا یہ کہ سلطان محمد تغلق کے دور میں صرف دہلی شہر میں ایک

ہزار مدرسے قائم تھے۔ اور دہلی کے ان قدیم مدارس میں شاہ عبدالرحیم صاحبؒ کی طرف منسوب مدرسہ رحیمیہ تو میری ان گنہگار آنکھوں نے بھی دیکھا ہے۔ ایک افغانی عالم قطبی پڑھا رہے تھے۔ دیوبند سے چھٹیوں کے دوران ہم چند طالب علم ان کا درس سنتے رہے اور اس کے بعد دیر تک ان علمی درس گاہوں کا باہمی ذکر ہوتا رہا جن کے بارے میں مولانا ظفر احمد صاحب نے فرمایا ہے کہ

"تلک اثارناتدل علینا فانظر وابعدنا الی الآثار

غرض یہ کہ اسلامی ملکوں میں اسلامی مدارس کا ہونا ایک قومی ملی اور مملکتی ضرورت ہے جس پر مسلمان امت کے خواص و عوام رعایا و حکام سب عمل پیرا رہے ہیں رہی حکومت خداداد پاکستان تو وہ بھی اس تاریخی اور دینی فریضہ سے محروم تو نہیں ہے مگر افسوس صد افسوس کہ بعض وقتی اور ہنا سپتی قسم کے وزراء اعظم' پاکستان میں دین و مذہب کے ان شعائر کو گوارا نہیں کرتے اور ان کی جگہ لارڈ میکالے کے رائج کردہ طرز تعلیم کو جاری رکھنا چاہتے ہیں اور اس کیلئے ملکی خزانے کو بے تحاشا خرچ کرتے چلے آئے ہیں اور اس طرح اگرچہ انگریز قوم پاک و ہند کی حکمرانی چھوڑ کر چلی گئی ہے لیکن درحقیقت پاکستان میں ان کی تعلیم' تمدن' ثقافت و صحافت وغیرہ تمام جاری و ساری ہیں۔ ~

اگرچہ میکدہ سے اٹھ کے چل دیا ساقی وہ مے وہ خُم وہ صراحی وہ جام باقی ہیں

دراصل حکومت پاکستان اگرچہ اسلام کے نام پر بنی تھی۔ مگر اس میں اسلام نام کی کوئی بات اگر ہے بھی تو برائے نام۔ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے سالانہ جلسہ میں کسی شخص نے حافظ محمد ادریس طوروئیؒ سے سوال کیا کہ حافظ صاحب! وہ جو مشہور ہے کہ پاکستان میں اسلامی قانون نافذ ہوگا وہ کب ہوگا تو حافظ صاحب نے کچھ دیر کے بعد جواب دیا کہ ہاں وہ اسلامی قانون آئندہ پانچ ہزار سالوں میں تو ممکن نہیں اور اس کے بعد پتہ نہیں۔ بہر کیف پاکستان میں علی رغم انوف بعض الوزاء والرزلاء' اسلامی مدارس کا عظیم الشان جال درس و تدریس میں مشغول ہے اور خاص کر کراچی والوں پر خداوند پاک کا احسان عظیم ہے ۔ جس میں ان گنت علمی مدارس کار فرما ہیں جہاں علوم اسلامیہ کی بھرپور اشاعت ہو رہی ہے اور اللہ پاک کا اس سلسلہ میں احسان در احسان یہ بھی ہے کہ ان مدارس کی عظیم اکثریت علماء حق یعنی دیوبندی مسلک والوں کی ہے جبکہ رضاخانی امت والے صاحبان کے مدارس اول تو نہ ہونے کے برابر ہیں پھر بھی جو کچھ ہیں وہاں علم نام کی تو کوئی چیز نہیں ہوتی ہے بلکہ میلاد شریف کے دورے ہوتے ہیں۔ انگلیاں چومی جاتی ہیں۔ میلاد شریف کا پورا مجمع حضور اکرم ﷺ کی مصنوعی اور جعلی آمد پر تعظیم و تکریم کیلئے کھڑے ہو کر

خدا کے بلند تر اور بندوں کے عظیم رہبر بندہ خدا کو خدا کا درجہ دیکر ان کو حاضر ناظر مانتے ہیں۔ جو شرک وحماقت کی انتہاء ہے معاذاللہ ثم معاذاللہ۔

حضرت افغانی ؒ کو ایک پٹھان ڈرائیور نے سنایا کہ میں صاحبزادہ فیض الحسن کا ڈرائیور تھا۔ راولپنڈی کے اطراف میں ایک دن ایک جگہ "صاحب" نے فرمایا رک جاؤ! میں نے گاڑی روک دی۔ صاحبزادہ صاحب گاڑی سے اترے اور سڑک کے کنارے مراقبہ ہو کر بیٹھ گئے کافی دیر کے بعد گاڑی میں آئے تو میں نے پوچھا کہ کیسے اترے اور آئے؟ تو فرمایا کہ حضور ﷺ مجھ سے ملنے تشریف لائے تھے سڑک کے کنارے میرے انتظار میں کھڑے تھے۔ میں ان کی ملاقات کیلئے اتر کر مراقبہ میں بیٹھ کر سلام کر کے آیا ہوں۔ ڈرائیور کا کہنا ہے کہ میں نے موٹر کار کی چابیاں سرکار کو دیں اور خود گاڑی سے اتر کر سوچتا رہا کہ دین اور علم کے لبادہ میں شرک وکفر کا یہ عمل قابل نفرت ہے ان کے ہاتھ کی تنخواہ لینا شرک وبدعات مین تعاون وشرکت ہے۔ لعنت ہو ایسی ملازمت پر۔ نیز اس سلسلہ میں خدا کا کرم در کرم یہ بھی ہے کہ طالبان حکومت کا سلسلہ خلیفہ وقت ملا محمد عمر مجاہد سے لیکر جنود وعساکر تک تمام دیوبندی مسلک سے وابستہ اور توحید وسنت کے دلدادہ ہیں۔ پاکستان کے وہ جید علماء حق جو ان کی سرپرستی فرماتے ہیں ان میں مفتی رشید احمد صاحب، مولانا سمیع الحق صاحب، مولانا شیر علی شاہ صاحب، مولانا فضل الرحمن صاحب، مفتی نظام الدین صاحب اور مولانا عبدالغنی صاحب وغیرہ سرفہرست ہیں۔

اب مدارس اور طلباء کے بارے میں میں اپنا جو تاثر پیش کرنے لگا ہوں وہ یہ ہے کہ ان فضلاء کا کثیر حصہ صحیح معنوں میں حامل علم نہیں ہوتا۔ اور طالب علمی کے دوران ہی علم صرف کے طالب علم کو صرف نہیں آتا۔ علم نحو کے طالب علم "بہ داء" کی ترکیب تو کیا منع صرف عدل کو عذل (بالذال) بولتے ہیں۔ علم ادب، بلاغت، منطق وغیرہ کو تو چھوڑو بلکہ بعض اللہ کے بندے آٹھ درجے پڑھ کر علم کے ابجد سے بھی ناواقف ہوتے ہیں۔ اور پھر صرف طلب ہی نہیں بلکہ مجھ جیسے کم علم اساتذہ بھی ہدایۃ النحو نہیں پڑھا سکتے اور قرآن کے لفظ یزید کو ذال کے ساتھ پڑھتے ہیں اور لکھتے ہیں خطبہ ثانیہ میں نفعنا کو سکون عین کیساتھ اور جعلنا کو سکون لام سے 'فواحسر تاوواویلاہ علی مافرطنافی جنب العلم ودعواہ۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک علمی اور درسی المیہ ہے جسکی بابت مجھ جیسے درد دل رکھنے والے بے شمار علماء فکر مند ہیں اور جس کیلئے میں مدارس کے ارباب حل وعقد اور نصاب درس کو مرتب کرنے والوں کے سامنے درخواست گذار ہوں کہ وہ مدارس میں علم حاصل کرنے والے طلبہ کی اس کمزوری بلکہ تباہی کی تلافی کریں کیونکہ درس

وتدریس اور علم و تعلم کے اس بوگس سلسلہ سے تو علم کا حلیہ بگڑ گیا ہے اور پتہ نہیں تا بکے؟ میں نے ایک بار نصاب درس کے بارے میں کچھ مشورہ دیا تھا اور امتحانی پرچہ کی عربی عبارت پر گرفت کی تھی، مگر وہ میرے لیے وبال جان بن گیا۔ اور بلند وبالا بزرگوں نے یہاں تک اتہام والزام لگایا کہ لطافت الرحمٰن تو جماعت اسلامی کا آدمی ہے۔ اس کا مشورہ قبول نہیں کیا جاسکتا۔ حالانکہ میرا جماعت اسلامی کے ساتھ وابستہ ہونا تو ایک نغمہ فی الطنبور ہے۔ جس کو بوقت ضرورت مجھ پر بطور لعن طعن تھوپا جاتا ہے، جبکہ میں صرف دیوبندی اور حسین احمدی ہوں لست الا۔ اور یہ جو لوگ علماء میں میرا نام لیتے ہیں یا مجھے بھی فخر ہے کہ میں علم سے وابستہ ہوں تو اس کی صحیح تشریح تو قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ نے اپنے مہتمم دارالعلوم دیوبند ہونے پر اسد اللہ خان غالب کا یہ شعر پڑھ کر کی تھی کہ ؎

بنے ہے شہ کا مصاحب پھرے ہے اتراتا — وگرنہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے

طلبہ مدارس کی علمی کمزوری کے بارے میں اس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں ہے کہ مدارس میں جو نصاب زیر درس ہے اس کو وقت اور حالات کے مطابق اس قدر مختصر اور بوگس بنایا گیا ہے جس سے پڑھنے والے میں مطلوبہ قابلیت کی توقع ہی نہیں کی جاسکتی اور پھر نصاب درس ہی پر اکتفاء کر کے فاضل وقانع ہو جانا بھی ایک عظیم سفسطہ ہے جس کے بارے میں حفیظ جالندھری مرحومؒ نے خوب کہا ہے کہ ؎

نصابی درس ہی سے شہسواری آنہیں سکتی — اصول آئیں تو آئیں استواری آنہیں سکتی

ہاں حفیظؒ نے یہ بھی خوب کہا ہے: کورس تو کورس ہی سکھاتا ہے — آدمی، آدمی بناتا ہے

نصاب تعلیم کے بارے میں مولانا سمیع الحق صاحب نے "الحق" کے پرانے رسالوں میں ایک سوالنامہ شائع کیا تھا جس کے جواب میں میں اپنا ایک نوٹ نقل کروں گا جو قابل غور و توجہ ہے وہ یہ کہ درس نظامی کا مجوزہ قدیم خاکہ جو تمام علوم و فنون کی بنیادی وسطانی اور فوقانی کتابوں سے تیار کیا گیا ہے اور بعد میں درجہ تخصص بھی ملا دیا گیا ہے (جو دارالعلوم دیوبند میں بھی ہم نے حضرت مدنیؒ سے ابن کثیر اور حضرت افغانی رحمہ اللہ سے تفسیر بیضاوی کامل، شرح اشارات امام رازیؒ کی صورت میں پڑھا۔ بہر حال اس کے بغیر عالم کامل بننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مجھے یاد ہے کہ شیخ الحدیث مغفور و مرحوم حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ نے اکوڑہ خٹک میں درس جاری کیا جبکہ میں اپنے گاؤں رونیال سوات میں ایک طویل وعریض درس چلا رہا تھا اور پشاور، مردان سے طلبہ کا ورود تو ہوتا اس دور میں طلبہ بتاتے رہے کہ اب مولانا عبدالحق صاحبؒ دیوبند نہیں گئے اور اکوڑہ خٹک میں درس قائم کیا ہے۔ مختصر المعانی اور سلم خوب پڑھاتے ہیں۔

گویا کہ یہی کتابیں تھی جنکی شمولیت سے درس نظامی کا نصاب معیاری اور افید انفع تھا اور جب اس میں حذف و ترمیم اور حک و فک ہونے لگا ہے تو بس وہی بات ہے کہ ؎

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم　　نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

وہ متذکرہ نوٹ بلفظہ یہ ہے۔ اور اگر ان (مدارس) درسگاہوں کی روایات اور بنیادی مزاج کے تقاضوں میں علماء و مدرسین، مصنفین و مبلغین، مقربین، متقین و صالحین پیدا کرنے ہیں تو پھر نظام تعلیم کیلئے وہی درس نظامی صرف مناسب ہی نہیں بلکہ لازم اور ضروری ہے۔ دراصل درس نظامی کا مجوزہ قدیمی خاکہ ہی تمام علوم و فنون کی ان بنیادی کتابوں سے تیار کیا گیا ہے جس کے بغیر عالم کامل بننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میرے اس جمود و قدامت پسندی کی تائید و تقویت دارالعلوم دیوبند کے اس نصاب تعلیم سے بھی ہوتی ہے (جو میرے سن فراغت ۱۳۵۷ھ جو خوبصورت بخاری کی طباعت کا سن طباعت بھی ہے) میں ۸۳ عدد کتابوں پر مشتمل تھا اور روزانہ ان کتابوں میں درس ہوتا تھا۔ ان میں شفاء، شرح اشارات، تحریر اقلیدس، خلاصۃ الحساب، سبعہ شداد، بست باب، شرح چغمینی، شمس بازغہ، عروض المفتاح، رسم المفتی، میر قطبی، رشیدیہ وغیرہ ہر طرح کی چھوٹی موٹی کتابیں داخل تھیں۔ جن کے نام ہمارے فارغین حضرات کے سننے میں بھی شاید نہ آئے ہوں جبکہ اس وقت پاکستان کے بالائی مدارس میں روزمرہ پڑھائی جانے والی کتابوں کا شمار شاید تیس تک بمشکل ہو۔　ع　ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا

(بحوالہ "الحق" شمارہ رمضان المبارک ۱۳۹۲ھ)

☆☆☆☆☆☆☆☆